سیرت واسوۂ حسنہ ﷺ
اکیسویں صدی کے تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید خان
شعبہ تاریخ' بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

تاریخ انسانیت میں بیسویں صدی کی سائنسی اور تکنیکی ترقی کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد جو تجزیہ اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ:

''سائنسی اور تنظیمی قوتوں نے حیات میں عقلی اور اخلاقی بحران کو جنم دیا۔ دانشوروں کے لئے سوال یہ تھا کہ آیا انسان ان قوتوں کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جنہیں وہ ضائع کر چکے ہیں اور کسی نئی قسم کے نظام کا تصور لا سکتے ہیں جو ان فطری ضوابط کا متبادل ہو سکے جنہیں استعمال میں لانا یا تباہ کرنا وہ سیکھ چکے۔ اخلاقی طور پر بحران بہت ساری اقدار کے ٹوٹنے اور باقی ماندہ کے درمیان اختلاف اور اس طاقت میں عدم مساوات اور استعمال کے لئے راہنمائی میں کمزوری' غیر یقینی اور اختلاف سے ابھرا جو انسان نے اپنے ہاتھوں میں رکھی۔''(۱)

اگر مذکورہ تبصرہ کو سامنے رکھ کر بیسویں صدی کے ماحصل پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ یعنی اکیسویں صدی کن تبدیلیوں کو متقاضی ہے کسی نہ کسی پیمانہ امروز وفردا کی گنجائش

باقی رہے گی اور ایسی فکر ضرور دامن گیر ہو گی کہ جس کے تحت اصلاح احوال کی ضرورت محسوس ہو۔ ایسی ہستی یا ماڈل کی تلاش جو خوب سے خوب تر کو حقیقت کی پا سکے۔ تاریخ عالم میں جب بھی ایک مکمل ہستی جو عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں' کے مصداق ہو تلاش کی جائے گی۔ تو نظر یقیناً سرور دو عالم ﷺ پر مرکوز ہو جائے گی۔ جو بیک وقت سیاسی' سماجی' ثقافتی' اقتصادی' اخلاقی گویا کہ ہر لحاظ سے احسن تقویم کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ''پسندیدہ دین'' کی نشر و اشاعت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا اور **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (۲)** کا اعزاز بخشا آپ کے اسوۂ حسنہ کا خالق کائنات کی طرف سے ببانگ دہل اعلان اس حقیقت کا بین ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ اس کا پسندیدہ دین' گذشتہ ماضی' حال اور مستقبل تمام زمانوں کے لئے ہے اور آپ ؑ بحیثیت پیغمبرؑ آخر الزمان کی سیرت بھی تمام ادوار کے لئے کامل نمونہ ہے۔

عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے جن کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔ اسی فکر کو اختیار کئے بغیر ممکن نہیں' دنیا اسلحہ کے اس قدر انبار لگائے بیٹھی ہے کہ وہ خود اس سے خائف ہو کر امن کی متلاشی ہے اور یہ فلسفہ امن آپ کی تقلید کے بغیر ممکن نہیں۔ اقتصادی چیلنجز تمام تر ترقی کے باوجود پوری قوت سے موجود ہیں۔ انسانی حقوق' سماجی انصاف' خواتین کے مراتب وغیرہ جیسے اہم معاملات ایسی ہی رہنمائی کے متقاضی ہیں۔

سائنسی اور تکنیکی ترقی جس قدر تیز رفتاری سے دنیا پر جلوہ گر ہو رہی ہے اسی قدر آپ کی تعلیمات و فرمودات نہ صرف پوری آب و تاب کے ساتھ منکشف ہو رہی ہیں بلکہ اخلاقی طور پر ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔

عالمی امن کی ضرورت

ایک مفکر کا قول تھا کہ ''اگر امن چاہتے ہو تو جنگ کے لئے تیار رہو' شاید اسی فارمولے کے تحت آج کے دور میں تمام ترقی یافتہ بڑی طاقتیں اسلحہ کی فروخت کی منڈیاں بن چکی ہیں۔ بلکہ ترقی پذیر

ممالک بھی اپنے دفاع کے لئے ہتھیار بنا رہے ہیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں دنیا کی بڑی طاقتوں کو بھی عالمی جنگوں سے بچنے کے لئے بالترتیب انجمن اقوام اور اقوام متحدہ' تشکیل دینے پر مجبور ہونا پڑا تاکہ امن کے لئے تنظیمی کردار ادا کیا جا سکے مگر تمام تر کوششوں کے باوجود نہ تو خود ان طاقتوں میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہو سکی اور نہ حقیقی امن کے لئے کوئی پیش رفت کی جا سکی البتہ خوف کی فضا طاری ہے اور رہے گی جب تک جنگوں کے حقیقی اسباب کو معلوم نہ کیا جائے۔ سرد جنگ بھی اسی کشمکش کی عکاس ہے' ایسا کیوں؟ اس میں ایک ایسی حکمت وضع کرنے کی ضرورت ہے جو پیغمبر اسلام نے اختیار فرمائی۔ میجر جنرل اکبر خان نے فلسفہ جنگ کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ''غزوات نبوی اور ماضی و حال کی دوسری لڑائیوں میں جو فرق سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ ان کی جنگ کا مقصد محض اپنا مفاد ہوتا ہے لہٰذا ایک کے فاتح اور دوسرے کے مفتوح بننے کے بعد جب صلح ہوتی ہے تو وہ پیام امن وسکون بننے کی بجائے آئندہ جنگ کے اسباب یعنی کینہ و انتقام کے جذبات ساتھ لاتی ہے۔ اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ کی تمام جنگوں کا خاتمہ امن و امان پر ہوتا ہے یعنی جہاں دوسری جنگوں نے ظلم وستم اور غارت گیری پھیلائی وہاں حدیثی جنگوں نے تمام دنیا کو اخوت و مساوات کی دعوت دی''(۳)

حضور ﷺ کی فکر کا بنیادی محور عرب قوم کو ذلت کا اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر راہ ہدایت پر ڈالنا اور مکی دور میں غار حرا میں یہی سوچ آپ کو دامن گیر تھی۔ جب مدینہ کی مملکت پر آپ جلوہ گر ہوئے۔ تو بدر و احد و خندق کے معرکے قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کئے گئے اور جونہی مسلمان ۶ ھ میں عمرے کے لئے عازم سفر ہوئے اور مکہ کے نواح میں پہنچے تو قریش مکہ نے جو معرکہ خندق میں ناکامی کی وجہ سے مشتعل ہو چکے تھے' مکہ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ لہٰذا

آپ نے جنگ کی بجائے صلح کی بظاہر مغلوبانہ شرائط بھی قبول کر لیں اور صلح حدیبیہ مرتب ہوئی حالانکہ مسلمانوں کے لئے اس سے قبل قریش مکہ کی مدینہ پر چڑھائی دفاع' مدینہ اور حفاظت مومنین کے لئے جنگ ناگزیر ہوگئی تھی ورنہ حضورؐ کا مزاج باوقار صلح کا آئینہ دار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین کا دیباچہ قرار دیا۔

اکیسویں صدی' یقیناً بیسویں صدی کی اسلحہ سازی کی ترقی کی امین' جدید ایٹمی اسلحہ اور میزائلوں کے انبار سے لیس ہے مگر قیام امن عالمی سطح پر ناگزیر ہے۔ دنیا حضور ﷺ کے اسوۂ مبارک سے فیض یاب ہو کر ہی اس تشویش کو دور کر سکتی ہے جو بجا طور پر اسے اپنے تحفظ کے سلسلے میں لاحق ہے۔

معاشی و اقتصادی چیلنجز

عہد حاضر شدید اقتصادی' ہلچل اور غربت جیسے گھمبیر مسائل کا شکار ہے۔ بڑی خوشحال اور مالدار طاقتیں جو G - 8 کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ غریب اور ترقی پذیر ممالک کو قرضوں کے جال میں پھانس کر اپنے سیاسی اور فوجی عزائم پورا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ گلوبلائزیشن کے نام پر اقتصادی اور ثقافتی یلغار مسلسل قوموں کو گھیرے میں لے چکی ہیں۔ جس کے ردعمل کے طور پر جولائی 2001ء اٹلی کے شہر جنیوا میں ہونے والے جی ایٹ کانفرنس میں گلوبلائزیشن کے خلاف پرتشدد ہنگامے بھی کئے گئے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک پر انہی ممالک کی اجارہ داری ہے۔ مگر اقتصادی بحران سخت تر ہوتا جا رہا ہے امریکہ کے سابق صدر کلنٹن کے اقتصادی مشیر لارا اینڈریو ٹائسن (**Lura Andrew Tyson**) نے گلوبلائزیشن کے متعلق تسلیم کیا کہ اس سے امیر اور غریب ممالک کی پر کیپی ٹا انکم میں انتہائی خلیج حائل ہی نہیں بلکہ وسیع تر کر دی ہے۔" (۴) ایک امریکی یونین لیڈر جے مذورا **(J.Mazura)** نے بھی گلوبلائزیشن کے متعلق کہا کہ "گلوبلائزیشن نے ڈرامائی طور پر قوموں کے اندر اور مختلف قوموں کے درمیان عدم مساوات پیدا کر دی ہے۔" (۵)

قابل غور حقیقت یہ ہے کہ اتنی سائنسی تکنیکی ترقی کے باوجود ایسا کیوں ہو رہا ہے یہ تجزیہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسائل اور ضروریات میں آبادی کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے جب کہ معاشی ضرورتوں کے سبب دنیا کا مطمح نظر تبدیل ہو چکا ہے۔ عالمی سطح پر پرخلوص قیادتوں کا بحران ہے۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام کی وہ تعلیمات قابل توجہ ہیں کہ کسی معاشرے میں معاشی ناہمواری کا بہتر علاج قرآن کے الفاظ میں **كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ** (۶) ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔''وسیع تناظر ؓمیں دیکھا جائے تو تمام دنیا کی دولت چند ممالک تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور دوسرے ممالک ان کے قرضوں اور امداد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب کہ حقیقی طور پر گردش زر **Circulation of Wealth** کو ایک بنیادی اصول سمجھ کر اختیار کیا جانا چاہئے۔ اسلام کے فلسفے میں ہمسائے کے حقوق سے لے کر پورے معاشرے کے غریب افراد کا اقتصادی تحفظ زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے مالدار لوگوں کی دولت تقسیم کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے اپنی ذات اور اہل و عیال کو جس طرح سرکاری اموال اور مراعات سے محفوظ رکھ کر ریاست مدینہ کی سربراہی کی وہ دنیا کے حکمرانوں کے لئے بہترین مثال ہے۔ اس سے نہ تو ریاست کے مصارف میں غیر ضروری اضافہ ہوا اور نہ ہی سرکاری خزانے پر بوجھ بڑا۔ امام کائنات کی وفات کے بعد ورثہ میں درج ذیل اشیاء حاصل ہوئیں اس بارے میں بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ ہو:''

''حدَّثنا إبراهيم بن الحارث: حدثنا يحي بن أبى بُكير:حدثنا زهير بن معاويه الجُعفيُّ: حدثنا أبو اسحٰق عن عمرو بن الحارث۔
ختن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخي جويرية بنت الحارث'
قال: ماترك رسول الله صلى الله عليه وسم عند موته درهما ' ولا دينارا ولا عبدا ولاأمة' ولا شيئا الّا بغلته البيضاء ' وسلاحهُ' وأرضا

جعلها صدقة (۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بقول کہ رسول اللہ ﷺ نے انتقال کے وقت کوئی درہم، دینار نہیں چھوڑے نہ اونٹ نہ بکری۔ (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الوصایا۔)

آپؐ نے جدید سرمایہ داری کے اصول کے برعکس عمل فرمایا کیونکہ عصر حاضر کا سرمایہ دار کم از کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کا عمل اس کے برعکس تھا۔ محنت کر کے رزق کمایا۔ تجارت بھی کی اور ارتکاز دولت کی بجائے گردش زر کے قائل رہے۔ آپ کا فرمان کہ 'میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوا اور خازن ہوں۔ دینے والا تو اللہ کریم ہے (۸)

آپ نے قرض حسنہ کا اسلامی تصور دیا جو آج کے دور کے قرضوں کے برعکس ہے قرض حسنہ جو باہم اعتماد اور دیانت داری کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ آپ نے کئی بار اپنی ذاتی ضروریات اور ضرورت مندوں کی کفالت کے لئے قرض حسنہ لیا اور واپس فرمایا۔

انسانی حقوق (ہیومن رائٹس)

پچھلی اور موجودہ صدی میں انسانی حقوق کے متعلق اہل یورپ نے خوب واویلا کیا ہوا ہے۔ بیسویں صدی میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرانے والے دنیا بھر کے نو آبادیاتی ملکوں میں کشمیر، فلسطین، افغانستان جیسے مسائل اور کشمکش کا بیج بونے والے اور اریٹریا، بوسینا، کوسوا وغیرہ میں ظلم و تشدد کرنے والے ممالک اگر ہیومن رائٹس کی بنیاد پر دیگر ملکوں کو پرکھنے کا معیار قائم کرلیں تو یہ بات محل نظر ہے کہ آخر انہیں کیا ہوا ہے؟ یقیناً یہ بھی ایک نعرہ (Slogan) کے طور پر اختیار کیا جا رہا ہے کیونکہ عملی طور پر ان کا کردار اس کے برعکس ہے۔

مگر حضورؐ کا اسوہ حسنہ اکیسویں صدی میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ساتویں صدی

عیسوی میں (۱۰ھ) کا آپ کا خطبہ حجتہ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا وہ چارٹر ہے جس کی جھلک آپ کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر میں بھی نظر آئے گی۔ ۱۲۱۵ء میں کنگ جان نے جو میگنا کارٹا ترتیب دیا وہ اہل یورپ کی تاریخ میں بڑی اہم دستاویز ہے جبکہ یہ صرف شاہی اختیار کو حد سے زیادہ تجاوز کرنے سے روکنے اور انسانی حقوق کے تحفظ تک محدود تھا جبکہ ۶۰۰ سال قبل حضورؐ کا دیا ہوا عالمگیر چارٹر اپنے اندر بنیادی انسانی حقوق سے متعلق تمام تفصیلات سموئے ہوئے تھا واشگاف انداز میں انسانی حرمت کے تحفظ کا اعلان 'وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کی عملی تفسیر فراہم کر رہا تھا۔ خصوصاً دور جاہلیت کے خون کی معافی کا اعلان خود اپنے خاندان کے حوالے سے اس کا آغاز اور بھی چاشنی پیدا کرتا تھا۔ آپ کا یہ فرمان کہ

لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور حرمتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر اور اس مہینے کی عزت کرتے ہوے۔ (۹)

غلامی کے تصورات اور نسلی امتیازات جو آج بھی کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے بعض معاشروں میں موجود ہیں مگر حضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ: النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِن تُراب۔ '''تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔'' (۱۰)

اور اپنے غلاموں کی بابت خیال رکھو اور تم انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جو تم معاف نہ کر سکو تو ان کو جدا کر دو۔ کیونکہ وہ خدائے واحد کے بندے ہیں اور ظلم کے لئے پیدا نہیں کئے گئے۔'' (۱۱)

حقوق نسواں

آج کے دور میں اہل یورپ نے حقوق نسواں کے موضوع کو دنیا میں خوب مشتہر کیا دومن

سٹڈیز کے نام سے عالمی یونیورسٹیز میں باقاعدہ شعبہ جات اور تحقیقی مراکز قائم کئے گئے۔ دنیا بھر میں مختلف کانفرنسوں میں صرف ایک پسندیدہ موضوع کی حیثیت سے مقالات کے ذریعے دھوم مچائی گئی بلکہ یورپ نے خود کو حقوق نسواں کا چیمپئن مشہور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی نسلی امتیازات کے ساتھ ساتھ ان معاشروں کی خوب تصویر کشی کی گئی جہاں عورتیں غلامی اور پستی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حقوق نسواں کی تمام تحریکیں حضورؐ کے ان اقدامات سے روشنی حاصل کر سکتی ہیں جو آپ نے خواتین کے حقوق کے سلسلے میں سرانجام دیئے اور جو یقیناً فطری اور متوازن تھے۔ کیونکہ اس بارے میں حضورؐ کے فرمودات و تعلیمات کو عہد وسطیٰ کے معاشرے کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ جس کی تصویر کشی جسٹس سید امیر علی نے سپرٹ آف اسلام میں کی۔

> ''ایرانی اور بازنطینی مملکتوں میں عورتوں کا معاشرتی درجہ بے حد پست تھا۔ بہت سے مذہبی دیوانے جنہیں بعد کے زمانوں میں کلیسا نے ولایت کا رتبہ بخشا ان کے خلاف وعظ کرتے تھے اور ان کی خباثتیں پیش کرتے تھے۔ وہ یہ بھول جایا کرتے تھے کہ انہیں عورتوں میں جو برائیاں دکھائی دیتی تھیں وہ ان کے متعصب دماغوں کی پیداوار تھیں۔ (۱۲)''

پیغمبر اسلام نے عورتوں کے احترام کا جذبہ فروغ دیا۔ آخری خطبہ کے یہ الفاظ سوسائٹی کے اس طبقے کی اہمیت کو خوب واضح کرتے تھے جس کے مطابق عورت اور مرد کو یکساں اہمیت اور حیثیت دی گئی، عورتوں کو حق وراثت دیا گیا۔ (سورۃ النساء: ۷) ان کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ اقتصادی حقوق کے علاوہ معاشرتی حقوق بھی دیئے گئے۔

مغربی تہذیب نے عورت کو بے محابا آزادی دی جو اٹھارویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے

جسے بتدریج صنعتی، سیاسی، معاشی اور تمدنی انقلابات نے ہوا دی اور یہ ترقی کرتے کرتے اپنی انتہا پر پہنچ گیا۔ عزت وشرف کے پیمانے تبدیل ہو گئے۔ آج یورپ میں طلاقوں کا تناسب بہت زیادہ ہونے کا اصلی سبب بھی لامحدود آزادی ہے۔ اس کے اثرات کلچر کی آڑ میں مسلمانوں میں بھی سرایت کر رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی روح کو بیدار کیا جائے جو سرور کائنات نے اجاگر فرمائی۔

اگر عصر حاضر میں حقوق نسواں کی آڑ میں تحریکیں چلانے والے، عورت کے صحیح مقام کے تعین کے لئے کوشاں ہوں تو انہیں حضورؐ کی ذات اقدس کی عائلی زندگی سے لے کر تبلیغ واشاعت اور مدینہ کی سربراہی تک کے تمام پہلوؤں میں ہدایت کی روشنی مل سکے گی۔

دہشت گردی اس دور کا خاصہ بن چکی ہے، ترقی یافتہ ممالک اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اور ترقی پذیر ممالک اپنی داخلی کمزوریوں کے سبب اس مصیبت کا شکار ہیں۔ دور رسالتؐ میں یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ایسی ہی سازشوں میں ملوث ہونے کا ثبوت ملتا تھا۔ جس کا تدارک آپؐ نے پہلے معاہدات کے ذریعے انہیں پر امن شہری بنانے کی کوشش کی، مگر جوں جوں ان کی مسلم دشمنی واضح ہوتی گئی اس کے مطابق آپ نے ردعمل ظاہر کیا اور فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے تمام کس بل نکال دیئے گئے۔ آج بھی دہشت گردی کے اسباب کو دور کرنے کے بعد ایک ٹھوس حکمت عملی کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے۔

کرپشن بیسویں صدی کی میراث کے طور پر اکیسویں صدی کو منتقل ہو چکی ہے، یہ لعنت صرف ملکی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر صرف با اثر افراد ہی نہیں بلکہ قومی سطح پر ایک تشخص کا درجہ حاصل کر چکی ہے، اس کے اسباب میں مادیت اور ہوس زر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اکیسویں صدی میں اگر سیرت اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا جائے تو گڈ گورننس یعنی اچھی حکومت کا مثالی نظریہ ریاست مدینہ کے تاج دار کے قول وعمل میں واضح طور پر نظر آئے گا۔ رحلت کے وقت آپؐ کے متروکات میں نہ کوئی درہم نہ دینار

اور نہ کوئی لونڈی یا غلام موجود تھا بلکہ صرف ایک سفید' خچر' کچھ ہتھیار اور زمین چھوڑی جو عام مسلمانوں کے لئے وقف فرما دی۔ آپ کا یہ فرمان ''ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا' ہم نے جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔(۱۳)

آپ نے جس طرح فقر و سادگی سے زندگی گزاری وہ مثالی حیثیت کی حامل تھی۔ ایک ایسی ہستی جو پورے جزیرۃ العرب کی حاکم بن چکی تھی' جس کے سامنے مسجد نبوی کے صحن میں بے پناہ دولت جمع تھی۔ مصر' حبشہ اور روم کے حکمرانوں کے تحائف کا ڈھیر موجود تھا۔ خیبر' فدک' وادی' القریٰ' تیما اور مدینہ منورہ کے باغات کی آمدنی بھی موجود تھی' مگر یہ سب کچھ آپ کی نگاہ کو خیرہ نہ کر سکا۔ اس سے بہتر اسوۂ حسنہ کی مثال کون پیش کر سکتا ہے۔''(۱۴)

مختصر یہ کہ بیسویں صدی کے اختتام کے بعد گو انسان نے حیرت انگیز طور پر سائنسی اور تکنیکی میدان میں ترقی حاصل کی مگر اس ترقی کے نتیجے میں جو مسائل پیدا ہوئے وہ بھی اسی طرح گھمبیر نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شعبہ ہائے زندگی میں اور ہر سطح پر اسی فکر کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے جو چھٹی ساتویں صدی میں پیغمبر اسلام نے اختیار کی اور آج بھی وہ مشکلات کے ازالے کے لئے بہتر ہیں۔ اکیسویں صدی مسلمانان عالم کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہیں اپنی قومی و ملی بقا اور سالمیت کے لئے اور دین کی سربلندی کے لئے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر اپنانا ہو گا۔ تاکہ عالم انسانیت حقیقی امن' یورپ کی اقتصادی و معاشی غلامی اور دباؤ سے آزاد اور معاشرتی انصاف سے ہم کنار ہو سکے۔ انسانی حقوق کا تحفظ حقیقی معنوں میں کیا جا سکے۔ اور معاشرے کے تمام کمزور طبقات' بشمول خواتین' مزدور' کسان وغیرہ بلا امتیاز اپنے آپ کو محفوظ تصور کر سکیں۔

حواشی

1- UNESCO: History of Mankind. Cultural and Scientific Development. Vol: 6, P: 1314.

۲۔ سورۃ المائدۃ: ۳

۳۔ میجر جنرل محمد اکبر خان: حدیث دفاع، ص: ۱۹، ۲۰

4- Robert wright: Will Globalizaion make you happy foreign Policy. P: 55.63.

5- Ibid

۶۔ سورۃ الحشر: ۷

۷۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: صحیح البخاری (کتاب الوصایا) ج: ۵، ص: ۱۰۰۶

۸۔ النیشاپوری، ابوالحسن مسلم بن الحجاج: الجامع الصحیح، ج: ۳، ص: ۹۰

۹۔ محمد بن سعد: طبقات ابن سعد، ج: I، ص ۴۷۰

۱۰۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر: تاریخ الامم والملوک، ج: ۲، ص ۳۳۷

۱۱۔ سید امیر علی: روح اسلام، ص: ۳۶۶، ۶۷

۱۲۔ نفس المصدر۔

۱۳۔ احمد بن حنبل: المسند، ج: I، ص: ۱۵۸

۱۴۔ نور محمد غفاری، ڈاکٹر: نبی کریم کی معاشی زندگی، ص ۳۳۵، ۳۲۸

مآخذ

1- UNESCO "History of Mankind, Cultural and Scientific Development.Vol: Vi. (Twenteeth) Century. Part Two-four-London. 1996. P: 1314.

2- Robert Wright. Will globalization Make you Happy. Foreign Policy. (U.S) Sept-Oct. 2002. pp. 55-67.

۳۔ میجر جنرل محمد اکبر خان' حدیث دفاع (لاہور'۱۹۵۸ء)

۴۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری: نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی' (لاہور' ۱۹۸۸ء)

۵۔ علامہ محمد بن سعد: طبقات ابن سعد (مترجم عبداللہ العمادی) (کراچی' ج' ۸' ۱۹۸۳ء)

۶۔ سید امیر علی: روح اسلام (مترجم سید ہادی حسین) (لاہور' ۱۹۸۲ء)

۷۔ بخاری' ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ: صحیح البخاری' بیروت' دار ابن کثیر' ج ۶' ط ۴' ۱۹۹۰' / ۱۴۱۰ھ۔

۷۔ النیشاپوری' ابوالحسن مسلم بن الحجاج: الجامع الصحیح ' بیروت' دار الفکر' ج: ۸' ص ۱۹۶۲م